ڈاکٹر عبدالستار دلوی بہ حیثیت ماہرِ لسانیات (سماجی لسانیاتی تناظر میں)

ڈاکٹر نبیل احمد نبیل اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور

Abstract:

Sociolinguistics deals with the study of language with special reference to the society. Culture and civilization are the indispensable parts of language and society. This article presents the critical analysis of linguistic work of Prof. Dr. Abdussattar Dalvi in the context of sociolinguistics which is an integral part of his writings. *Urdu Zaban aur Samaji Sayaq* (1992) is his collection of sociolinguistic essays which depicts his interest over linguistics especially phonetics and both has a deep influence of his sociolinguistic approach. He is among those linguists who believe that Urdu and Hindi both languages arouse from Khadi boli which is the dialect of Delhi and its surroundings. *Do Zabanain, Do Adab* (2007) is his masterpiece book in the twenty first century written in response to Dr. Gyan Chand Jain's book named *Ek Bhasha: Do Likhawat, Do Adab* (2005). Dr. Dalvi is of the view that the base of Urdu and Hindi is the same but with the start of nineteenth century, the literature of both the languages evolve simultaneously in different directions, eventually giving birth the two separate literal languages. He also believes that Urdu style of Khadi boli is ancient than Hindi style of Khadi boli. Urdu is the pure representative of combined Indian Culture.

Key Words: سماجی سیاق، سماجی لسانیات، اُردو اور ہندی، مشترکہ ہندوستانی کلچر، کھڑی بولی، توضیحی لسانیات، اُسلوبیات

زبان افراد کے مابین رابطے کا ایک منظم و مربوط نظام قایم کرتی ہے جو اپنی ذات میں ایک بھرپور سماجی عمل ہے۔زبان چوں کہ صدیوں کے سماجی عمل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتی ہے، اِس لیے زبان کا معاشرے میں کردار خاصا اہم ٹھہرتا ہے۔ زبان اور سماج کا تعلق ایک دوسرے سے نہایت گہرا ہے اور یہی تعلق سماجی لسانیات کی بنیاد ہے۔ افراد کا ایک دوسرے سے میل جول اور اُن کا سماجی کردار کسی بھی معاشرے میں بنیادی طور پر زبان کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔سماجی لسانیات ایک کثیر شعبہ جاتی علم ہے جس میں سماجیات اور لسانیات کا اشتراک سامنے آتا ہے۔ زبان پر سماج کے جو اثرات مرتسم ہوتے ہیں وہ سماجی لسانیات کا بنیادی موضوع ہے۔ دوسری جانب زبان اپنے جو اثرات معاشرے پر مرتب کرتی ہے، وہ زبان کی سماجیات کے زمرے میں آتے ہیں۔ لسانی تغیرات زبان کی مختلف سطحوں پر وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں جن کا تعلق مختلف سماجی متغیرات کے ساتھ جڑتا رہتا ہے۔ اِن سماجی متغیرات میں جنس، عمر کی سطح، تعلیم، قومیت اور سماجی حیثیت وغیرہ خصوصی نوعیت کے حامل ہیں، جس طرح زبان میں ہونے والی تبدیلیاں مستقل طور پر جاری رہتی ہیں، اِسی طرح زبان کا استعمال بھی مختلف تبدیلیوں کے مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔ اِس ضمن میں مختلف سماجی گروہ بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور یہاں سے مختلف بولیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اُردو میں سماجی لسانیات کے موضوعات کو اپنے مضامین و مقالات میں سمیٹنے والوں کی فہرست میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالستار دلوی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے لسانیات اور صوتیات میں باقاعدہ اعلیٰ تربیت اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز، لندن سے حاصل کی۔ اُردو لسانیات کے تناظر میں اُن کی نمایاں کاوشوں میں "اُردو میں لسانی تحقیق)مرتبہ)"(1971(ادبی اور لسانی تحقیق :اُصول اور طریقِ کار)مرتبہ) "(1984(، "دکنی اُردو)مرتبہ)"(1987(، "اُردو " زبان اور سماجی سیاق) "1992(، "کوکن، کوکنی مسلمان اور اُردو)"2004 (اور "دوزبانیں، دوادب)"2007 (شامل ہیں۔ زیرِ نظر آرٹیکل میں اُن کی سماجی لسانیات کے تناظر میں خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

آریا 1500ق م میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور اِس سے قبل وہ ایران میں کم و بیش 1000 سال تک مقیم رہے۔ ایرانی زبان نے آریاؤں کی ہندوستان آمد کے بعد ہند آریائی کا روپ اختیار

کر لیا۔ ہند آریائی زبان کو عموماً تین ادوار میں پیش کیا جاتا ہے جس میں قدیم ہند آریائی)1500 ق م تا 500 ق م(، وسطی ہند آریائی)500 ق م تا 1000ء (اور جدید ہند آریائی)1000ء تا حال (شامل ہیں۔ قدیم ہند آریائی دور سنسکرت کی نمایندگی کرتا ہے۔ سنسکرت کے زوال سے وسطی ہند آریائی دور کا آغاز ہوتا ہے جس میں پہلے پراکرتوں کا ظہور ہوا پھر اِنھی پراکرتوں نے اپ بھرنشوں کا روپ اختیار کر لیا۔گیارھویں صدی کے آغاز سے ہندوستان میں جدید ہند آریائی نے زبانوں اور بولیوں کے کئی چشموں کو جنم دیا۔ اُردو اور ہندی کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی۔ دہلی اور نواحِ دہلی کی بولیوں نے شورسینی اپ بھرنش سے جنم لیا۔ اِنھی بولیوں میں سے ایک نے دہلی کے شمال مشرقی علاقے اور مغربی اتر پردیش کے علاقوں کی نمایندگی کی جسے مسلمانوں کی دہلی میں حکومت قایم ہونے کے بعد)1193ء (سرپرستی بھی حاصل رہی۔ یہی بولی کھڑی بولی کے نام سے معروف ہے جو اُردو اور ہندی کی بنیاد بنی۔ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ کے نزدیک "اُردو کا کھڑی بولی سےپیدا ہونا ایک ایسی لسانی حقیقت ہے جسے کسی بھی طرح جھٹلایا نہیں جا سکتا۔")1(ڈاکٹر عبدالستار دلوی بھی اُردو اور ہندی کی ابتدا کے سلسلہ میں کھڑی بولی کو اہمیت دیتے ہیں۔

:وہ جارج ابراہم گریرسن کے خیالات سے استفادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> اُردو اور ہندی کھڑی بولی کے دو روپ ہیں۔ اُردو وہ روپ ہے جس میں عربی، " فارسی کے الفاظ زیادہ استعمال ہوتے ہیں اور ہندی وہ ہے جو سنسکرت الفاظ زیادہ استعمال کرتی ہے اور ہندوستانی اِن دونوں کو ملانے والی زبان ہے۔ اُس نے یہ بات بھی کہی ہے کہ ہندی سے دو زبانیں مراد لی جاتی ہیں۔ ایک سنسکرت آمیز کھڑی بولی اور دوسرے وہ ساری بولیاں جو پنجاب اور بنگال کے بیچ بولی جاتی ہیں۔ اِس دہرے پن کے برخلاف گریرسن نے مشرقی و مغربی Anomaly ہندی کو ہی ہندی مانا ہے۔ یورپی اور ہندوستانی ماہرین میں متعدد علما نے بھی اِسی بات پر زور دیا ہے کہ خالص لسانی نقطۂ نظر سے اودھی،، برج، میتھلی، راجستھانی

اور بہاری وغیرہ جنھیں اب ہندی کہا جانے لگا ہے ۔ بوجوہ کھڑی بولی ہندی سے
الگ اور آزاد زبانیں ہیں۔(۲)

بول چال کی سطح پر اُردو اور ہندی میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے جس کی بنیادی وجہ اِن دونوں زبانوں کا وسیع لسانی اشتراک ہے۔ تاریخی اعتبار سے اگر بات ہو تو دونوں کا منبع ایک یعنی کھڑی بولی ہے۔ قواعد کے ڈھانچے کی بات ہو تو دونوں کی قواعد ایک ہے۔ دونوں زبانوں کے لسانی سرمایہ میں اِس قدر اشتراک پایا جاتا ہے جس کی مثال دنیا کی کسی دو زبانوں میں نہیں ملتی۔اُردو اِس کا وہ روپ ہے جسے تاریخی اعتبار سے تقدم حاصل ہے۔تاریخی اور لسانی اعتبار سے یہ بات واضح ہے کہ اُردو اور ہندی کا ظہور تو کھڑی بولی سے ہوا مگر ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے دونوں زبانوں نے مختلف اسالیب اختیار کر لیے جس سے دونوں کا ادب الگ الگ جہتوں میں سامنے آیا۔ کھڑی بولی کا اُردو اُسلوب ، ہندی اُسلوب کی نسبت قدیم ہے اور اِس حوالے سے عبدالستار دلوی لکھتے ہیں

> اردو اور ہندی ہندوستان کی دو اہم ترین زبانیں ہیں جن کا تعلق کھڑی بولی سے ہے، یوں سمجھ لیجیے کہ یہ دونوں زبانیں اب کھڑی بولی کے دو اسالیب ہیں جو انیسویں صدی کے ربع آخر سے ساتھ ساتھ پروان چڑھتے گئے اور ساتھ ساتھ آج بھی ارتقا پذیر ہیں، لیکن جب کھڑی بولی کا آغاز ہوا اور ارتقا شروع ہوا تو جو اُسلوب سب سے پہلے نکھر کر اُبھرا وہ اُردو کا اُسلوب تھا اور اِسی اُسلوب میں ادب بھی لکھا جانے لگا۔ لہٰذا قدامت کے لحاظ سے اُردو کو ہندی پر اولیت "حاصل ہے۔(۳)

ادبی زبان کی حیثیت سے دونوں زبانوں نے الگ الگ روش اختیار کرتے ہوئے اپنا اپنا ادب تخلیق کیا مگر یہ الگ الگ ادبی جہتیں انیسویں صدی سے پہلے نہیں ملتیں۔ تحریری حالت کا ذکرہو تو دونوں زبانوں کامحض رسمِ خط ہی جداگانہ نہیں بلکہ دونوں کے تہذیبی و ثقافتی دھارے ہی جدا جدا ہیں جس سے وابستگی دونوں زبانوں کی مخصوص شناخت ہے۔

:اِس ضمن میں ڈاکٹر عبدالغفار شکیل رقم طراز ہیں

ہندی اور اُردو کی گرامر ایک ہے۔ دونوں کا سرچشمہ ایک ہے، لیکن ادب کی " سطح پر ہندی اور اُردو کا ارتقا دو الگ الگ جہتوں میں ہوا ہے۔ اِس لیے اِس زبان کے دو ادبی روپ بن گئے ہیں۔ مزید یہ کہ وقت اور حالات نے دونوں کی صوتی، صرفی اور معنیاتی سطحوں کو بھی متاثر کیا ہے۔ اُس خط نے بھی دونوں زبانوں کو الگ الگ روپ دینے میں بڑا اہم رول انجام دیا ہے جس کے نتیجے میں آج اُردو اور ہندی اِس مقام پر آپہنچی ہیں جہاں سے اُن کی لسانی انفرادیت بہ آسانی پہچانی جا سکتی ہے۔ ہندی اور اُردو کا ارتقا جس نہج ہر ہوتا آیا ہے اُس کا یہ تقاضا تھا کہ اُردو ہندی اپنی اصل سے ہٹ کر دو مختلف روپ اختیار کریں۔ لسانی تغیرات ایک زبان کی کئی ایک varieties پیدا کر دیتی ہیں۔ لسانیات کا یہ ایک اٹل اُصول ہے جس سے دنیاکی کوئی زبان مستثنٰی نہیں۔(۴)"

جہاں تک زبان میں ادب تخلیق ہونے کی بات ہے تو اُردو اور ہندی دو الگ الگ زبانوں کی حیثیت سے سامنے آنے میں فورٹ ولیم کالج کا کردار بنیادی نوعیت کا حامل ہے۔زبان کو دولخت کرنے کا پروگرام اور اِس پر عمل درآمد فورٹ ولیم کالج کے زیرِ سایہ ہی پروان چڑھا جس کا پہلا قدم للو لال جی کی "پریم ساگر"1803(ثابت ہوئی۔پروفیسر عبدالستار دلوی اُن ماہرینِ لسانیات میں شامل ہیں جن کا خیال ہے کہ اُردو کو ہندی پر تقدمِ زمانی حاصل ہے اور یہ تقدم محض تاریخی نہیں بلکہ ادبی حوالے سے بھی اُردو کو ہندی زبان پر حاصل ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے قبل اُردو اور ہندی کی الگ الگ روایت نہیں ملتی بلکہ ایک ہی زبان اور ایک ہی ادب ملتا ہے جسے اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کے ماہرین اور ادیب اپنی زبان اور اپنا ادب گردانتے ہیں۔ اِسی زبان نے اپنے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے ہندوی، ہندی، گجری، دکنی، ہندوستانی، اُردوے معلیٰ اور اُردو جیسے نام اختیار کیے۔سیاسی مقاصد سے ہٹ کر لسانی ا ور علمی نقطۂ نظر سے ہی اِس بات تک پہنچا جا سکتا ہے کہ کھڑی بولی کا اولین روپ اُردو ہی ہے جب کہ جدید ہندی اِس کی بعد کی شکل ہے جس کو نکھارنے اور سامنے لانے میں فورٹ ولیم کالج کے سیاسی عزایم نے نمایاں کردار ادا کیا۔ جارج ابراہم گریرسن، سنیتی کمار چٹرجی، دھیریندر ورما،

مسعود حسین خاں، مرزا خلیل احمد بیگ، گوپی چند نارنگ اور عبدالستار دلوی جیسے نام کھڑی بولی سے اُردو کی ابتدا کے عمل کو قدیم خیال کرتے ہیں جب کہ ہندی بہت بعد کی پیداوار ہے۔

اِس ضمن میں عبدالستار دلوی لکھتے ہیں:

"کھڑی بولی کا اصل رنگ روپ اُردو میں نکھرا اور انیسویں صدی تک وافر مقدار میں ادبی مواد اُردو میں تیار ہوا جب کہ ہندی میں اِس کی مثالیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کھڑی بولی اُردو کی اِس ترقی یافتہ اور راسخ حالت کو دیکھ کر فورٹ ولیم کالج میں انیسویں صدی کی ابتدا میں جدید ہندی ادب کی نگہداشت ہوئی اور اِسے اُردو کی طرز پر پروان چڑھایا گیا۔(۵)

مرزا خلیل احمد بیگ بھی عبدالستار دلوی کی طرح ہندی کو اُردو سے بہت بعد کی پیداوار گردانتے ہیں اور اِس ضمن میں وہ فورٹ ولیم کالج کے سیاسی عزایم جس کے پس پردہ برطانوی سامراج کی نوآبادیاتی سوچ کارفرما تھی کو بنیادی ذمہ دار بھی ٹھہراتے ہیں۔فورٹ ولیم کالج کے تحت ہی اُردو سے شعوری طور پر عربی و فارسی الفاظ نکال کر اِسے سنسکرت زدہ بنا کر دیو ناگری لپی میں پیش کیا گیا۔اِسی تناظر میں وہ لکھتے ہیں:

"کھڑی بولی ہندی اُس وقت وجود میں آئی جب انیسویں صدی کی آمد آمد تھی۔ 1800 عیسوی میں کلکتے میں فورٹ ولیم کالج قایم ہوا اور اُس کے ایک عہدے دار گل کرسٹ کی ہدایت پر وہاں کے 'بھاکھا منشی 'للو لال نے اُردو کو، جو پورے شمالی ہندوستان میں پہلے سے جاری ساری تھی، بنیاد بنا کر اور اُس میں سے عربی فارسی الفاظ کو نکال کر اور اُن کی جگہ پر سنسکرت کے الفاظ رکھ کر دیو ناگری رسمِ خط میں لکھی جانے والی ایک نئی زبان اختراع کی۔ یہی زبان 'کھڑی بولی ہندی 'کہلائی۔(٦)

اُردو اور ہندی کے لسانی دھاروں میں دراڑ ڈالنے کا سہرا فورٹ ولیم کالج کے سر ہے جس کے بعد سے اِن دونوں میں دوریاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔دونوں زبانوں کا تاریخی پس منظر اِس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اِن دونوں زبانوں نے اپنے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے بہت سی زبانوں

اور بولیوں سے استفادہ کیامگر کھڑی بولی کی اہمیت اِس ضمن میں سب سے زیادہ ہے۔اُردو اور ہندی کی مقامی شکلیں جیسی بھی ہوں، لیکن اِن دونوں کی معیاری شکل کھڑی بولی کا ہی رخ کرتی ہے۔

:اِس ضمن میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں

> "اِن دونوں زبانوں نے ابتدائی ارتقا کے دوران میں مل جل کر برج، ہریانی، پنجابی اور لہذا کئی بولیوں سے استفادہ کیا، لیکن دونوں نے سب سے زیادہ طاقت کھڑی سے حاصل کی۔ اِس کے بعد ہندی اور اُردو اگرچہ الگ الگ دو زبانیں بن گئیں، لیکن چوں کہ دونوں کا معیاری روپ کھڑی پر قایم ہے اور چوں کہ دونوں کی ابتدائی تاریخ کئی صدیوں تک ایک رہی ہے، اِس لیے جتنا اشتراک اِن دونوں کی آوازوں اور صرفی و نحوی ڈھانچے اور روزمرہ محاورے میں آج بھی پایا جاتا ہے، شاید ہی دنیاکی کسی دو زبانوں میں پایا جاتا ہو۔(۷)"

اُردو اور ہندی کے مابین تعلق کا جائزہ ماہرینِ لسانیات نے عموماً دو پہلوؤں سے پیش کیا ہے۔ ایک پہلو توضیحی لسانیات کے ضمن میں زبان کی ساخت کا احاطہ کرتا ہے جس کے تحت اُردو اور ہندی میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ دوسرا پہلو سماجی لسانیات کے تناظر میں سماجی، تہذیبی اور ثقافتی پس منظر کو لسانی اعتبار سے پیش کرتا ہے اور یہاں اُردو اور ہندی دو مختلف سمتوں میں آگے بڑھتی ہیں۔ اُردو اور ہندی کے لسانی تناظر میں مذکورہ دونوں پہلوؤں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ماہرینِ لسانیات اپنی رائے قایم کرتے ہیں۔ یہاں دو گروہ واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ پہلا گروہ اِس بات کا حامی ہے کہ اُردو اور ہندی دو الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی زبان کے دو روپ ہیں۔ دوسرا گروہ اِس خیال کو پیش کرتا ہے کہ اُردو اور ہندی مکمل طور پر دو الگ الگ زبانیں ہیں۔ اِن دونوں گروہو ں کا خیال اپنی اپنی جگہ درست مگر کسی حد تک انتہا کی نمایندگی کرتا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فیصلہ محض توضیحی لسانیات کی بنیاد پر کرنا درست ہوگا یا پھر سماجی لسانیات کی ہی واحد بنیاد بنا کر فیصلہ کرنا درست ہو گا؟ اِس مسئلے کا متوازن حل علمی، تاریخی اور لسانی استدلال کی مدد سے ہی بہتر انداز میں سامنے آئے گا، ورنہ دونوں انتہاؤں کے درمیان ہی معلق رہنا مقدر ٹھہرے گا۔اُصولی طور پر بات تو دونوں گروہوں کی ٹھیک

ہے مگر بیک وقت دو متضاد باتوں کا درست ہونا بھی حیران کن ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی اِس ضمن میں کسی حد تک متوازن رائے کے حامی ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ:

"سماجی لسانی نقطۂ نظر سے اگرچہ یہ دونوں اسالیب آزادانہ حیثیت رکھتے ہیں تاہم عام بول چال، بنیادی ساخت اور ذخیرہ الفاظ سے دونوں میں وصل زیادہ اور فصل کم ہے۔ اُردو اور ہندی کے لسانی رشتے میں یہ قرب لسانی نوادرات کی ایک عمدہ مثال ہے۔(۸)"

یعنی اُردو اور ہندی میں فرق کی بنیادی نوعیت سماجی لسانیات اور اُسلوبیات کی سطح پر نمایاں ہوتی ہے۔ بہ صورتِ دیگر دونوں زبانیں ایک ہی ہیں۔

اِس ضمن میں ڈاکٹر عبدالستار دلوی مزید لکھتے ہیں:

"اُردو ہندی میں توضیحی لسانی سطح پر جو مشابہت پائی جاتی ہے اُسی کو بنیاد بنانے میں کچھ ماہرینِ زبان و ادب اُردو اور ہندی کو ایک ہی زبان سے موسوم کرتے ہیں یا ایک غالب رجحان یہ ہے کہ ہندی کو اصل زبان قرار دے کر جو تاریخی حقائق کے منافی ہے اُردو کو ہندی کا اُسلوب (شیلی) کہا جاتا ہے۔ اگر اِس رویے کو جائز قرار دیا جائے تو مذکورہ حقائق کی روشنی میں زبان کا قدیم ترین اُسلوب اُردو اُسلوب ہے اور ہندی اُسلوب (شیلی) کا انیسویں صدی کے نصف تک پتا نہیں چلتا۔ ہندی کو اُردو کا اُسلوب کہنا صحیح ہے، لیکن اُردو اور ہندی کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر دونوں زبانوں کے آزادانہ ادب کی نشوونما اور جداگانہ تاریخی روایتوں کے ہوتے ہوئے علمی سطح پر دونوں کے جداگانہ استعمال کے پیش نظر اِن دونوں زبانوں کو ایک ہی زبان کے روپ یا اسالیب کہنے کے بجائے اِن دونوں کی آزادانہ حیثیتوں کو تسلیم کر لینا ہی زیادہ عملی اور منطقی نقطۂ نظر معلوم ہوتا ہے۔(۹)"

اُردو اور ہندی کی ابتدا تو ایک ہے مگر اِن دونوں کا ارتقا اِس اعتبار سے ہوا ہے کہ اِنھیں دو مختلف زبانیں مان لینے میں قطعاً کوئی مضائقہ نہیں۔

اِس ضمن میں گوپی چند نارنگ کچھ یوں خیال ظاہر کرتے ہیں:

"اُردو اور ہندی اپنی بنیاد اور جڑ سے ایک ہیں۔ اِن کی نشوونما اِس طور پر ہوئی کہ اب یہ دو آزاد ، مستقل بالذات اور الگ الگ زبانیں ہیں۔ البتہ کئی سطحوں پر یہ ایک دوسرے کے ساتھ اِس طرح جڑی ہوئی ہیں کہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔ اِس باہمی اشتراک کی وجہ سے موجودہ لسانی صورت حال کچھ اِس طرح کی ہے کہ اگر ہندی اور اُردو کو دو دائروں کی شکل میں ظاہر کیا جائے تو دونوں دائرے ایک دوسرے سے ملتے ہوئے نظر آئیں گے اور دونوں دائروں کا نصف سے زیادہ حصہ ایک دوسرے پر منطبق ہوتا ہوا معلوم ہو گا۔"(۱۰)

اُردو اور ہندی کے تناظر میں بات کرتے ہوئے ڈاکٹر سہیل بخاری بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اُردو اور ہندی ، کھڑی بولی کے ہی دو روپ ہیں جن میں بنیادی فرق رسمِ خط اور دخیل الفاظ کا ہے۔ اُن کی رائے ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

"دراصل اُردو اور ہندی ایک ہی زبان کے دو روپ ہیں جسے ماہرینِ علمِ زبان نے کھڑی بولی کا نام دیا ہے۔ اِن کے موجودہ رُوپوں میں دو فرق واضح ہیں، ایک لپی اور دوسرا دخیل الفاظ۔"(۱۱)

جہاں تک عام بول چال کی زبان کا تعلق ہے اُردو نے ہندوستان میں اپنی مخصوص جگہ بنائے رکھی ہے۔ ہندی زبان نے ادبی اعتبار سے اپنے آپ کو منوالیا ہے مگر عوام کی سطح پر اُردو آج بھی غالب زبان کی حیثیت سے قایم و دایم ہے۔

اِس ضمن میں ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے پروفیسر جیرالڈ کیلی کی رائے نقل کی ہے:

"At the moment, it is probably fair & say that no one is a speaker of standard Hindi".(12)

)شاید آج کے حالات میں یہ کہنا مناسب ہو گا کہ معیاری ہندی بولنے والا کوئی نہیں ہے۔)

اُسلوبیات کے حوالے سے اُردو اور ہندی میں جو فرق پایا جاتا ہے، اُسے پروفیسر عبدالستار دلوی میں اسالیبِ The Five Clocks کی کتاب(Martin Jose)نے امریکی ماہرِ زبان مارٹن جوس زبان سے متعلق خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کتاب کے آغاز میں یوں لکھا ہے:

"Bally Hough railway station has two clocks which disagree by some six minutes. When one helpful Englishman pointed the fact out to a porter, his reply was "Faith, sir, if they were to tell the same time, why we would, be having two of them?"(13)

بیلی ہاؤ ریلوے اسٹیشن پر دو گھڑیاں لگی ہوئی ہیں جن میں تقریباً چھ منٹ کا فرق رہتا ہے۔ جب ایک (مہربان انگریز نے ایک قلی کو اِس حقیقت کی جانب اشارہ کیا تو اُس نے جواب دیا۔"یقین رکھیے محترم !)اگر یہ دونوں گھڑیاں ایک ہی وقت بتائیں تو پھر دو گھڑیاں لگانے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

جب دو یا دو سے زیادہ مختلف گروہ آپس میں لسانی رابطے کے لیے کسی ایسی سادہ زبان کا کہلاتی ہے۔ (Pidgin language) استعمال کرتے ہیں جو اُن میں مشترک نہ ہو تو ایسی زبان پجن اِس زبان کی کوئی مخصوص گرامر نہیں ہوتی بلکہ یہ وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اِس کا ذخیرۂ الفاظ اور گرامر مختلف زبانوں سے اخذ شدہ ہوتی ہیں۔ پجن کسی بھی خطے کے باشندوں کی مادری یا قومی زبان نہیں ہوتی ہے بلکہ اِسے ثانوی زبان کی حیثیت سے سیکھا جاتا ہے اور یہ کریول سے یکسر مختلف ہوتی ہے جو کسی خطے کے باشندوں کی مادری یا قومی زبان ہوتی ہے۔ پجن (Creole) اگر کسی خطے کی مادری زبان کا درجہ اختیار کر لے تو کریول کہلاتی ہے۔ پجن سے کریول تک کا سفر مسلسل سماجی رابطے کی مدد سے طے ہوتا ہے۔ اکثر پجن زبانیں مختصر زندگی گزار کر دم توڑ دیتی ہیں مگر

چند زبانوں میں اِس قدر دم ہوتا ہے کہ وہ کریول تک کا سفر طے کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔بیرونی حملہ آور جب حاکم کا روپ اختیار کرتے ہیں تو محکوم کے ساتھ رابطہ کرنے میں پجن زبان ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی کے خیال میں:

"اُردو زبان بھی اپنی ابتدائی حالت میں ربط زبان کے تعلق سے پجن)عام اظہارِ خیال کے لیے ثانوی زبان (کی حیثیت رکھتی ہو گی جس نے پجن کی حیثیت سے اپنے آپ کو مستحکم کر لینے کے بعد کریول)مادری یا پہلی زبان (کی حیثیت حاصل کر لی ہو گی۔"(۱۴)

اُنھوں نے پجن اور کریول پر مبنی نظریے کی مدد سے اُردو کے آغاز کو ایک مفروضہ بنا کر پیش کیا ہے۔ دکنی اُردو کو سماجی لسانیات کے تناظر میں پجن اور کریول کے نظریے کی روشنی میں اُنھوں نے کچھ اِس انداز میں پیش کیا ہے:

"زبانوں کے آغاز و ارتقا کے اِسی نظریے کے تحت جب کھڑی بولی اُردو نے اپنی حیثیت مستحکم کر کے دکن کا رخ کیا ہو گا تو دکن کے لسانی ماحول میں دکنی اُردو نے بھی ابتداً مقامی زبانوں کے اشتراک سے ایک پجن کی حیثیت اختیار کی ہو گی جو ترسیل و ابلاغ کے لیے ثانوی زبان کی حیثیت سے مستعمل رہی ہو گی اور بعد ازاں اِس حیثیت میں اپنی بنیادیں مستحکم کر لینے کے بعد یہاں کے عوام میں مادری زبان کی حیثیت سے مستعمل ہو کر کریول بن گئی ہو گی۔"(۱۵)

اُردو کے تاریخی پہلو کی نسبت سماجی پہلو ڈاکٹر عبدالسّار دلوی کی تحریروں میں نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ اُنھوں نے سماجی بولیوں اور جغرافیائی بولیوں کے فرق کو سماجیات کی روشنی میں احسن انداز سے پیش کیا ہے۔ اِس ضمن میں سماجی اقدار کی عدم یکسانیت اُن کے خیال میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ سماجی اور جغرافیائی حوالے سے بولیوں میں پایا جانے والا فرق دراصل تہذیبی و ثقافتی پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ زبان اور بولیوں میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں سماج کے ساتھ گہرے انداز سے مربوط ہوتی ہیں۔ پجن کا وجود چوں کہ محض ابلاغ و ترسیل کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے، اِس

لیے ادبی زبان کے برعکس قواعد اور اُصول و ضوابط کی سختیاں یہاں ختم ہو جاتی ہیں۔پروفیسر عبدالستار دلوی اِس بات کے قائل ہیں کہ دکنی اُردو نے پجن کے اِنھی اُصولوں پر نمو پائی ہے۔ جب اِسی پجن نے اپنا دائرۂ کار وسیع کیا تو دکنی اُردو نے پجن سے کریول کی شکل اختیار کر لی مگر پجن کی شکل مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی۔ یعنی دکنی اُردو ثانوی زبان کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتی رہی اور کریول کی شکل میں بھی پروان چڑھتی رہی۔ زبان اور بولیوں کی سماجی درجہ بندی کے تناظر میں سماجی ماحول بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ سماجی لسانی حوالے سے ایک ہی سماج کے افراد کی زبان اور بولی میں جو فرق پایا جاتا ہے اِس ضمن میں ڈاکٹر عبدالستار دلوی لکھتے ہیں:

"زبان صرف جغرافیہ اور سماجی پس منظر کے ساتھ ہی نہیں بدلتی بلکہ تعلیمی معیار کے ساتھ بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ کسی شخص کی تعلیم یونیورسٹی کی سطح، ثانوی اسکول کی سطح اور کسی کی پرائمری یا تحتانی مدرسے کی سطح کی بھی ہوتی ہے۔ اِن تینوں تعلیمی سطحات کی مناسبت سے بھی تعلیم کی سطحیں اونچی اور نیچی یا اعلیٰ و ادنیٰ سطحات میں بدلتی رہتی ہیں اور چوں کہ تعلیم کی یہ تینوں سطحیں بالانفرادی Linguistic Community کی اُس لسانی گروہ Individual سطح پر سماجی پر سماجی درجہ بندی Social Grouping بھی کرتی ہیں۔ لٰہذا اِس کے بولنے والوں میں جو لسانی فرق محسوس ہوتا ہے وہ سماجی لسانی فرق بھی ہوتا ہے۔(۱۶)"

سماجی لسانیات کی چھتری تلے اُردو اور ہندی کے تاریخی، لسانی، سماجی، سیاسی اور تہذیبی و ثقافتی تناظر میں لکھنے والوں میں ڈاکٹر عبدالستار دلوی کا نام نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں سماجی لسانیات کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھتے ہیں۔ اِس ضمن میں اُن کے پیش کردہ اہم مباحث میں دکنی اُردو، اُردو میں دخیل آوازیں، اُردو میں تلفظ کا مسئلہ، بچوں کی اُردو، بمبئی کی اُردو، اُردو میں لسانی آداب، اُردو اور انگریزی کے دو لسانی پہلو، اُردو کا ہندوستانی رجحان، اُردو املا،اُردو اور ہندی پر ایک نظر، زبان اور بولی کے رشتے اور مسائل، تاریخ، فرقہ واریت اور گیان چند، فرقہ وارانہ سیاست اور اُردو ہندی

کا مسئلہ، فارسی اور سنسکرت سے اُردو کا لسانی اور ادبی رشتہ، ایک زبان اور دو رسم الخط،اُردو کی عامیانہ زبان، اور قومی زبان اور مشترکہ تہذیب شامل ہیں۔اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کو اُنھوں نے تاریخی اور لسانی تناظر میں اِس قدرمدلل انداز سے پیش کیا ہےکہ سوائے تعصب کی عینک کے ہر آنکھ اُن کی تحریروں پر رشک کرتی ہے۔ اُنھوں نے اُردو اور ہندی کو کھڑی بولی کےدو ایسے روپ قرار دیا ہے جنھوں نے اپنا اپنا ادب مخصوص انداز میں الگ الگ تخلیق کیا ہے۔ توضیحی لسانیات اور اُسلوبیات کو بنیاد بنا کر وہ اُردو اور ہندی کا موازنہ پیش کرتے ہیں۔ اول الذکر کی بنیاد پر دونوں زبانیں ایک ہیں مگر ثانی الذکر اُنھیں دو الگ الگ زبانوں کے روپ میں پیش کرتی ہے۔ "اُردو کو ہندی پر تقدمِ زمانی حاصل ہے"یہ نقطہ بھی اُن کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے۔ اُردو کو وہ ایک ایسی زبان خیال کرتے ہیں، جس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا اور خود کو مشترکہ ہندوستانی کلچر کی یادگار بنا کر زندہ جاوید کر دیا۔ "دو زبانیں، دو ادب)"2007 (اُن کا اہم کارنامہ ہے جس کے ذریعے سے اُنھوں نے ڈاکٹر گیان چند جین کی متنازعہ کتاب "ایک بھاشا :دو لکھاوٹ، دو ادب)"2005 (میں درج کیے گئے تعصبات اور لسانی فرقہ واریت پر مبنی مواد کا نہایت جامع اور مثبت انداز سے جواب پیش کیا۔

حوالہ جات:

۱۔خلیل احمد بیگ، ڈاکٹر، اُردوکی لسانی تشکیل)بعدِ ترمیم واضافہ(،علی گڑھ :ایجوکیشنل بک ہاؤس،2016، ص70

۲۔عبدالستاردلوی، ڈاکٹر، اُردوزبان اورسماجی سیاق، بمبئ:قلم پبلی کیشنز، 1992، ص40

۳۔عبدالستاردلوی، ڈاکٹر، دوزبانیں،دوادب، بمبئ: قلم پبلی کیشنز،2007، ص232

۴۔عبدالغفارشکیل، ڈاکٹر،زبان ومسائلِ زبان،علی گڑھ:شعبہ لسانیات، مسلم یونیورسٹی،1974، ص69

۵۔عبدالستاردلوی، ڈاکٹر، اُردوزبان اورسماجی سیاق، بمبئ:قلم پبلی کیشنز، 1992، ص42

۶۔خلیل احمد بیگ، ڈاکٹر،ایک بھاشا۔۔جومستردکردی گئی،علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،2007، ص52

۷۔گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اُردوزبان اورلسانیات، لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،2006، ص83

۸۔عبدالستاردلوی، ڈاکٹر، اُردوزبان اورسماجی سیاق، بمبئی: قلم پبلی کیشنز، 1992، ص43
۹۔ایضاً، ص47
۱۰۔گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اُردوزبان اورلسانیات، لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،2006، ص99
۱۱۔سہیل بخاری، ڈاکٹر،اُردوکا قدیم ترین ادب)مشمولہ(،لاہور: نقوش،شمارہ 102، مئی1965، ص83
۱۲۔عبدالستاردلوی، ڈاکٹر، اُردوزبان اورسماجی سیاق، بمبئی: قلم پبلی کیشنز، 1992، ص49
۱۳۔ایضاً، ص50
۱۴۔ایضاً، ص51
۱۵۔ایضاً، ص 52
۱۶۔ایضاً، ص58